لڑکیوں کے لیے انمول تحفہ

موتیوں کا ہار

حصہ سوم

افضل حسینؒ
ایم۔اے۔ایل۔ٹی

فہرست مضامین

بسم اللہ الرحمن الرحیم

پیاری بیٹیوں سے

پیاری بیٹیو! تم نے رنگ رنگ کے ہار دیکھے ہوں گے۔ روپہلے بھی، سنہرے بھی، جڑاؤ اور سادے بھی، چھوٹے اور بڑے بھی اور اصلی اور نقلی بھی۔ اُن کی چمک دمک اور خوبصورتی دیکھ کر شاید تمھارا بھی جی چاہتا ہوگا کہ ایسا ہی ایک عمدہ ہار تمھارے پاس بھی ہوتا۔ مگر یہ ہار بس ایسے ہیں کہ کچھ ہی دنوں میں اُن کی چمک دمک جاتی رہتی ہے۔ اِن کا رنگ پھیکا پڑ جاتا ہے۔ اِن میں سے اکثر کھوٹے نکل جاتے ہیں۔ ان کے ٹوٹ پھوٹ جانے، گم ہو جانے یا چوری چلے جانے کا بھی ڈر لگا رہتا ہے۔

میں نے تمھارے لیے ایسا خوب صورت ہار تیار کیا ہے، جس کے سارے موتی سچے اور قیمتی ہیں۔ اس ہار کی چمک دمک ہمیشہ باقی رہے گی۔ تم اس سے اپنے آپ کو آراستہ کرو۔ یہ تمھیں سب کی آنکھوں کا تارا بنا دے گا اور آخرت میں بھی تمھارے کام آئے گا۔ اللہ تمھیں مبارک کرے۔

تمھارا خیر خواہ

افضل حسین

(۱)

پردہ

شرم وحیا لڑکیوں کا سب سے قیمتی زیور ہے۔ سمجھ دار لڑکیاں اپنے اس قیمتی زیور کی بڑی حفاظت کرتی ہیں۔ وہ جانتی ہیں کہ اس کے ضائع ہو جانے کے بعد وہ سب کی نگاہوں سے اتر جائیں گی۔ وہ جتنا اُسے بچا کر رکھیں گی، اُن کی قدر ہو گی۔

شرم وحیا کی حفاظت کا سب سے اچھا ذریعہ پردہ ہے۔ نہ غیروں کے سامنے ہوں گی، نہ اُن کی حیا پر آنچ آئے گی۔ اِسی لیے تو اچھی بیٹیاں پرائے تو خیر پرائے ہیں، اپنوں کے سامنے بھی بہت ہی چھپی ڈھکی رہتی ہیں۔ باپ بھائیوں کے سامنے بھی کبھی ایسا باریک کپڑا پہن کر نہیں آتیں، جس سے بے پردگی کا شبہ ہو۔

یوں تو نیک بی بیوں میں بے شمار ایسی ملتی ہیں جو اس معاملے میں بڑی احتیاط کرتی رہی ہیں، لیکن بی بی عائشہ صدیقہؓ نے بہت ہی اونچی مثال پیش کی ہے۔ ایک بار ایک اندھا آدمی ان سے دین کی کچھ باتیں پوچھنے

آیا۔ وہ مسئلے مسائل سے خوب واقف تھیں۔ وہ تھیں بھی تو حضورؐ کی سب سے چہیتی بیوی۔ بڑے بڑے لوگ ان سے دین کی باتیں پوچھتے تھے۔ حضورؐ کی طرف سے اُن کو اس کی اجازت بھی تھی، خیر جب وہ اندھا آدمی پہنچا تو وہ پردہ کرنے لگیں۔ اُس نے جھٹ کہا:

''میں تو اندھا ہوں، مجھ سے کیا پردہ؟''

حضرت عائشہؓ صدیقہ بولیں:

''تم اندھے ہو تو کیا میں بھی اندھی ہوں تم مجھے نہیں دیکھ سکتے، نہ سہی، میں تو تمھیں دیکھ سکتی ہوں۔''

بات معقول تھی وہ آدمی چپ ہو گیا۔

پردے کے معاملے میں ان کی حد درجہ احتیاط کا ثبوت ایک اور واقعے سے بھی ملتا ہے۔

پیارے نبیؐ اور حضرت ابوبکرؓ حضرت عائشہؓ ہی کے حجرے میں دفن ہیں۔ حجرے میں ایک اور قبر کی جگہ تھی جسے بی بی عائشہؓ نے اپنے لیے رکھ چھوڑا تھا۔ مگر بعد میں اسے حضرت عمرؓ نے اپنے لیے مانگ لیا وہ شہادت کے بعد وہیں دفن کیے گئے۔ پہلے دونوں میں ایک شوہر تھے، دوسرے باپ، اس لیے اُن سے پردے کا کوئی سوال ہی نہ تھا۔ لیکن حضرت عمرؓ کے دفن ہونے کے بعد سے وہ حجرے میں بے پردہ کبھی نہیں گئیں۔

حضرت عائشہؓ خود تو پردے کا بے حد خیال رکھتی ہی تھیں۔ ایک بار اُن کی بھتیجی باریک دوپٹا اوڑھ کر اُن کے سامنے آئی۔ انھوں نے دیکھتے ہی غصے میں آ کر دوپٹے کو پھاڑ ڈالا اور پھر موٹے کپڑے کا دوپٹا منگا کر اُسے اُڑھا دیا۔

ایک دفعہ بی بی عائشہؓ کسی کے گھر مہمان گئیں۔ وہاں جوان لڑکیوں کو بغیر دوپٹا اوڑھے نماز پڑھتے دیکھا۔ انھوں نے اُنھیں سختی سے روکا اور کہا کہ آیندہ کوئی لڑکی بغیر دوپٹا اوڑھے نماز نہ پڑھے۔

۱- بی بی عائشہ صدیقہؓ کون تھیں؟
۲- انھوں نے اندھے سے پردہ کیوں کیا؟
۳- انھوں نے اپنی بھتیجی کا دوپٹا کیوں پھاڑ ڈالا؟
۴- شرم وحیا لڑکیوں کا سب سے قیمتی زیور ہے، کس طرح؟

(۲)

اللہ کا ذِکر

اللہ کے نام میں بڑی برکت ہے۔ جبھی تو ہم لوگ ہر کام اللہ کے نام سے شروع کرتے ہیں۔ اللہ کے نیک بندوں کا تو معمول ہوتا ہے کہ وہ اُٹھتے بیٹھتے اللہ کا نام لیتے رہتے ہیں اور اُس کی خوبیوں کو یاد کرتے رہتے ہیں۔ اس سے بڑا فائدہ ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ خوش ہوتے ہیں اور اپنی بے شمار نعمتیں عطا کرتے ہیں۔ دوسرے ہم جتنا زیادہ اللہ کی خوبیاں یاد کرتے ہیں، اتنا ہی خود اچھا بننے کی کوشش کرتے ہیں۔ تاکہ ہم اس کے چہیتے بن سکیں۔

ہمارے ملک میں ایک بہت مشہور بزرگ گزرے ہیں، اُن کا نام تھا مولانا محمد الیاسؒ۔ وہ بہت ہی نیک اور اللہ والے بزرگ تھے۔ ہمیشہ اِسی دُھن میں لگے رہتے کہ کس طرح لوگوں کو دین کی باتیں سیکھنے اور سکھانے پر آمادہ کردیں۔

دہلی کے قریب ایک علاقہ میوات ہے۔ وہاں ہزاروں مسلمان بستے تھے، مگر انھیں دین کا علم نہ تھا۔ عورتیں اور بچیاں تو بالکل ہی علم سے کوری تھیں۔ مولانا نے برسوں وہاں کے لوگوں کو دین سکھایا اور سکھا کر

دوسروں تک دین پہنچانے پر آمادہ کیا۔ اللہ اُنھیں جزائے خیر دے۔

اِن بزرگ نے جس ماں کی گود میں پرورش پائی تھی، وہ بھی بہت ہی نیک تھیں۔ حافظِ قرآن تھیں۔ جب دیکھو قرآن مجید کی تلاوت کرتی یا تسبیح پڑھتی نظر آتیں۔ قرآن مجید انھیں اِتنا اچھا یاد تھا کہ گھر کا سارا کام کاج کرتی جاتی تھیں اور قرآن مجید پڑھتی جاتی تھیں۔ روزانہ چار پارے سے زیادہ تلاوت کر لینا اُن کا معمول تھا۔ اس کے علاوہ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ؕ — ۱۹۰۰ مرتبہ

سُبۡحَانَ اللّٰہِ ، اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ

لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ، اَللّٰہُ اَکۡبَرُ — ہر ایک (دوسو) — ۲۰۰ مرتبہ

حَسۡبُنَا اللّٰہُ وَنِعۡمَ الۡوَکِیۡلُ — ۱۰۰ مرتبہ

لَآ اِلٰہَ اِلَّآ اَنۡتَ سُبۡحَانَکَ اِنِّیۡ کُنۡتُ مِنَ الظّٰلِمِیۡنَ — ۱۰۰ مرتبہ

یَا حَیُّ یَا قَیُّوۡمُ — ۲۰۰ مرتبہ

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّبَارِکۡ وَسَلِّمۡ — ۵۰۰ مرتبہ

اور بہت سے ذکر و اذکار بڑی تعداد میں روزانہ پڑھا کرتی تھیں۔ انھیں اِتنا موقع اس لیے مل جاتا تھا کہ وہ عام عورتوں کی طرح وہ اپنا قیمتی وقت فضول باتوں یا بکواس میں ضائع نہیں کرتی تھیں۔

وہ ہر سال رمضان المبارک کے مہینے میں چالیس مرتبہ قرآن مجید ختم کرتی تھیں۔ ایسی نیک بی بی کی گود میں مولانا محمد الیاسؒ جیسے بزرگ کا پرورش پانا کون سی تعجب کی بات ہے۔

۱۔ مولانا محمد الیاسؒ کون تھے؟

۲۔ میوات کا علاقہ کہاں ہے؟ وہاں کے مسلمانوں کا کیا حال تھا؟

۳۔ مولاناؒ نے اُن کے ساتھ کیا احسان کیا؟

۴۔ مولانا کی والدہ کے متعلق تم کیا جانتی ہو؟

۵۔ وہ کون کون سے اذکار اور کتنی بار پڑھتی تھیں؟

۶۔ کلام پاک کی تلاوت میں ان کا کیا معمول تھا؟

(۳)

والدین کی خدمت

حضرت شعیبؑ ایک بہت مشہور نبی گزرے ہیں۔ آپؑ کو اللہ نے مَدیَن والوں کی اصلاح کے لیے بھیجا تھا۔ بہت ضعیف ہو گئے تھے۔ آنکھوں کی بینائی ختم ہوگئی تھی۔ ان کے کوئی بیٹا نہ تھا، صرف دو بیٹیاں تھیں۔ وہی گھر کا سارا کام کاج کر کے اپنا اور اپنے والدین کا پیٹ پالتی تھیں۔ گھر میں بھیڑ بکریاں پلی ہوئی تھیں۔ دونوں لڑکیاں اُنھیں چرانے لے جاتیں اور پھر کنویں سے پانی پلا کر واپس لاتیں۔

ایک دفعہ کا ذکر ہے۔ دونوں بیٹیاں اپنی بکریاں لے کر کنویں پر آئیں۔ دوسرے چرواہے پانی نکال کر اپنے مویشیوں کو پلا رہے تھے۔ یہ دونوں بے حد شرمیلی تھیں۔ اپنی بکریاں علیحدہ لے کر کھڑی رہیں اتنے میں ایک اجنبی نے دیکھا۔ پاس آ کر ان سے انتظار کا سبب پوچھا۔ لڑکیوں نے بتایا: ”ہمارے گھر میں کوئی مرد نہیں ہے۔ باپ بوڑھے اور نابینا ہیں۔ ہم دونوں بہنیں بکریاں چرانے جاتے ہیں۔ جب سارے چرواہے اپنے

اپنے جانوروں کو پانی پلا کر چلے جاتے ہیں، تب ہم پلاتے ہیں۔" اجنبی نے ترس کھا کر لڑکیوں کی مدد کی۔ پانی کھینچ کر بکریوں کو پلایا۔ لڑکیاں بکریوں کو لے کر گھر لوٹیں اور اپنے ابّا جان کو سارا قصہ سنایا۔

حضرت شعیبؑ نے اجنبی کو بلا بھیجا۔ بڑی بیٹی بی بی صفورا شرماتی ہوئی گئیں اور اجنبی کو بلا لائیں۔ گھر پہنچنے پر معلوم ہوا کہ یہ اجنبی شخص حضرت موسیٰؑ تھے۔ جنھوں نے مصر میں ایک ظالم فرعونی کو ظلم سے باز رکھنے کے لیے اُسے ایسا گھونسا مارا تھا کہ وہ مر گیا تھا اور پھر قتل کر دیے جانے کے ڈر سے نکل کھڑے ہوئے تھے۔

حضرت شعیبؑ نے حضرت موسیٰؑ کو تسلّی دی اور بڑی بیٹی بی بی صفورا کو اُن سے اس شرط پر بیاہ دینا چاہا کہ وہ آٹھ یا دس سال تک اُن کی بکریاں چرائیں۔ حضرت موسیٰؑ راضی ہو گئے۔ اس طرح بی بی صفورا نے مہر میں زیور یا رقم وغیرہ لینے کی بجائے اپنے والدین کی خدمت ہی کو بہ خوشی قبول کر لیا۔

۱۔ حضرت شعیبؑ کون تھے؟

۲۔ حضرت موسیٰؑ سے اُن کی ملاقات کس طرح ہوئی؟

۳۔ بی بی صفورا کا نکاح کس شرط پر ہوا؟

۴۔ حضرت شعیبؑ کی بیٹیاں اپنے باپ کی خدمت کس طرح کرتی تھیں؟

(۴)

بھائی سے محبّت

بہن بھائیوں کی محبت مشہور ہے۔ ایک ہی گود میں پلنا بڑھنا، بچپن سے ساتھ اُٹھنا بیٹھنا ہر دَم ساتھ ہی کھیلنا کودنا، مل بانٹ کر کھانا پینا، اُن کا یہی ایکا اُنھیں پیار محبت سے رہنے اور دُکھ درد میں ایک دوسرے کا ساتھ دینے پر اُبھارتا رہتا ہے۔ بچپن کی یہ محبت ساری زندگی قائم رہتی ہے اور وقت پڑنے پر ایسی ایسی قربانیاں کراتی ہے کہ عقل دنگ رہ جاتی ہے۔

ایسی ہی ایک بہن خولہؓ کا واقعہ ہے۔ انھیں اپنے بھائی ضرّار سے بے حد محبت تھی۔ ایک دفعہ کا ذِکر ہے، ضرّار دشمنوں کی ایک فوج سے لڑ رہے تھے۔ اتفاق سے بڑا کاری زخم لگا اور وہ گرفتار ہو گئے۔

حضرت خولہؓ کو جو بھائی کی گرفتاری کا حال معلوم ہوا تو وہ بے چین ہو گئیں۔ مسلمانوں کے مشہور فوجی سردار حضرت خالدؓ انھیں چھڑانے کے لیے ایک ہزار فوج لے کر جا رہے تھے۔ بی بی خولہؓ بھی ہتھیار بند ہو کر ایک تیز رفتار گھوڑے پر سوار بھائی کی مدد کے لیے چل کھڑی ہوئیں۔

بی بی خولہؓ کا سارا جسم ڈھکا ہوا تھا۔ صرف آنکھیں دکھائی دے رہی تھیں۔ اس لیے کوئی پہچان نہ سکا۔ لوگوں نے ایک تیز رفتار سوار کو جو آگے جاتے دیکھا تو گھوڑوں کو ایڑ لگا کر اس کے قریب پہنچنا چاہا۔ لیکن بی بی خولہؓ نے رفتار اور تیز کر دی یہاں تک کہ دشمنوں کی فوج سے مُڈ بھیڑ ہو گئی بڑی گھمسان کا رَن پڑا۔ بی بی خولہؓ بجلی کی طرح دشمن کی فوج میں گھُس کر اُن کا صفایا کر رہی تھیں۔ مسلمان فوجی حیران تھے کہ یہ کون سوار ہے جو اتنی بہادری سے لڑ رہا ہے کہ اپنی جان کی بھی پروا نہیں کرتا۔ جنگ ختم ہوئی۔ کامیابی کا سہرا مسلمانوں کے سر رہا۔ دشمن قتل ہوئے یا بھاگ گئے۔

اَب حضرت خالدؓ نے پتا لگایا تو معلوم ہوا کہ وہ تیز سوار بی بی خولہؓ تھیں، جو اپنے بھائی کی محبت میں بے چین ہو کر اُنھیں چھڑانے کے لیے نکل کھڑی ہوئی تھیں۔ آخر دشمنوں کو شکست دے کر اُن لوگوں نے حضرت ضِرّارؓ کو چھڑا لیا۔

اسی طرح اور کئی واقعات ہوئے۔ کبھی بھائی خطرے میں گھِرا تو بہن نے جان پر کھیل کر اس کی مدد کی اور کبھی بہن دشمنوں کے نرغے میں آ گئیں تو بھائی نے اُسے نجات دلائی۔ اس کوشش میں نہ کبھی بی بی خولہؓ نے اپنی جان کی پروا کی نہ حضرت ضِرّارؓ نے۔

---

(۵)

فیّاضی

اللہ بہت بڑا فیّاض ہے۔ وہ اپنے فرماں بردار اور نافرمان ہر بندے کو روزی دیتا ہے۔ چوں کہ وہ خود فیّاض ہے، اس لیے وہ انھی کو پسند کرتا ہے جو اس کی راہ میں دل کھول کر خرچ کرتے ہیں۔ کنجوسی تو اُسے بالکل پسند نہیں۔

جو بی بیاں اللہ سے محبت کا دَم بھرتی ہیں، وہ بھی بڑی فیّاض ہوتی ہیں، لیکن بی بی عائشہؓ کا نمبر ان سب میں بڑھا ہوا ہے۔ جو کچھ ملتا تھا، وہ رات آنے سے پہلے پہلے اللہ کی راہ میں دے دیا کرتی تھیں۔

ایک مرتبہ ایک صحابیؓ آئے۔ انھوں نے اُن سے کہا کہ اگر میرے پاس دس ہزار درہم ہوتے تو میں تم کو دے دیتی۔ اتفاق سے اسی دن اُن کے پاس کچھ رقم آ گئی۔ انھوں نے فوراً اس صحابی کو بلا کر دس ہزار درہم دے دیے۔

ایک دفعہ اُن کے بھانجے حضرت عبداللہؓ نے ایک لاکھ درہم بھیجے۔ اُس دن وہ روزے سے تھیں۔

وہ تھیں بھی تو ایسے باپ کی بیٹی جو اپنے گھر کا سارا اثاثہ اللہ کی راہ میں بے دریغ دے دیا کرتے تھے اور جب پوچھا جاتا کہ گھر میں بال بچوں کے لیے کیا چھوڑا ہے تو کہتے:

"اللہ اور اُس کے رسولؐ کی محبت اور یہی ہمارے لیے کافی ہے۔"

۱۔ اللہ تعالیٰ کن لوگوں کو پسند کرتے ہیں؟

۲۔ بی بی عائشہؓ میں کیا کیا خوبیاں تھیں؟

۳۔ ان کی فیاضی کے کون کون سے واقعات مشہور ہیں؟

(۶)

غیرت

اللہ کی نیک بندیاں بڑی غیرت مند ہوتی ہیں۔ اگر کبھی خدانخواستہ اُن کی عزّت پر حملہ ہوتا ہے تو وہ اپنی جان پر کھیل کر اپنی آب رُو بچاتی ہیں۔

مسلمانوں کے ایک ملک ترکی کا نام تو تم نے سنا ہوگا۔ ترکی ہمارے ملک سے بہت دُور پچھّم میں یورپ سے ملا ہوا ایک ملک ہے۔ وہاں کے مسلمان حکمرانوں میں جب طرح طرح کی کم زوریاں پیدا ہوئیں تو یورپ سے ملا ہوا ایک ملک ہے۔ وہاں کے مسلمان حکمرانوں میں جب طرح طرح کی کم زوریاں پیدا ہوئیں تو یورپ والوں نے حملہ کر کے اسے ہڑپ کرنا چاہا۔

ایک دفعہ دشمنوں کی ایک فوج نے ترکی کے ایک گاؤں پر حملہ کیا۔ اتفاق سے مرد سب جنگ میں تھے۔ اِن ظالموں نے پردے والی بی بیوں لڑکیوں اور بچیوں کو قتل کرنا شروع کیا۔ ایک فوجی ایک گھر میں گھسا

وہاں ایک عورت کے ایک بچہ پیدا ہوا تھا، وہ بے چاری زچہ خانے میں تھی اور بچہ اُس کے پاس ہی سو رہا تھا۔ اُس ظالم نے گھستے ہی بچے کو ماں کے سامنے ہی قتل کر دیا۔ وہ بے چاری ماما کی ماری تلملا کر رہ گئی۔ اس کے بعد ظالم نے اس عورت کی عزت پر حملہ کرنا چاہا۔ بولا:

"میں تمھیں بیوی بنا کر رکھوں گا۔"

اس کے جگر کے ٹکڑے کو ابھی ابھی قتل کیا گیا تھا جس کی خون میں لتھڑی ہوئی لاش اس کے سامنے تھی۔ لیکن اس پر بھی مجبوراً صبر کیا تھا۔ اب جو فوجی کی یہ بکواس سنی تو وہ غیرت مند بی بی آگ بگولا ہوگئی۔ یہ بے عزتی اُس کے لیے ناقابل برداشت تھی، مگر خون کا گھونٹ پی کر چپ رہی اور موقعے کا انتظار کرنے لگی۔ اتفاق سے اس فوجی کو پاخانے کی حاجت ہوئی۔ فوجی نے ہتھیار کھول کر رکھ دیے اور پاخانے چلا گیا۔ عورت نے ہتھیار اپنے قبضے میں کیے اور جوں ہی فوجی واپس لوٹا تو اس نے اچانک حملہ کر کے فوجی کو مار ڈالا۔ اس طرح اپنی آب رو بچالی۔

۱۔ ترکی کہاں ہے اور اس پر کن لوگوں کا قبضہ ہے؟

۲۔ دشمنوں نے ترکوں پر کیوں حملہ کیا تھا؟ ان لوگوں نے عورتوں اور بچوں کے ساتھ کیا برتاؤ کیا؟

۳۔ ترک خاتون نے اپنی آب رو کس طرح بچائی؟

(۷)

بہادری

پیارے نبیؐ کے ایک چچا حضرت حمزہؓ تھے۔ وہ بہت ہی طاقت ور اور بہادر تھے۔ اُن کا نام سن کر بڑے بڑے سورما کانپ جاتے تھے۔ حضرت حمزہؓ کی ایک بہن بی بی صفیہؓ تھیں۔ وہ پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی تھیں۔ وہ بھی اپنے بھائی کی طرح بہت ہی بہادر اور دلیر تھیں۔

ایک دفعہ کا ذکر ہے۔ مکّے کے کافروں نے مدینے پر چڑھائی کی۔ مدینے کے آس پاس یہودی رہتے تھے۔ مسلمانوں سے اُن کا معاہدہ تھا۔ مگر یہ ظالم بھی کافروں سے مل گئے اور کافروں کے ساتھ اُنھوں نے بھی مسلمانوں پر حملہ کر دیا۔

پیارے نبیؐ مردوں کو لے کر دشمنوں کا مقابلہ کرنے چلے گئے اور عورتوں اور بچوں کو ایک قلعے میں بند کر کے ایک صاحب کو نگراں بنا دیا۔ یہودیوں نے یہ سمجھ کر کہ عورتیں تنہا ہوں گی اپنا ایک فوجی دستہ ان پر حملہ کرنے کے لیے بھیج دیا۔ اِس دستے نے قلعے کی دیوار کے پاس اپنا ڈیرا ڈالا اور یہ پتا لگانے کے لیے اپنا ایک جاسوس بھیجا کہ عورتیں اکیلی ہیں یا اُن کے ساتھ

مرد بھی ہیں۔ بی بی صفیہؓ نے اس جاسوس یہودی کو دیکھ لیا اور جو صاحب نگراں تھے اُن سے کہا کہ اِس یہودی پر حملہ کریں مگر وہ صاحب یہ کہہ کر بیٹھ رہے کہ مجھ میں اگر اتنی ہمت ہوتی تو آج عورتوں میں کیوں ہوتا میں بھی میدانِ جنگ میں لڑنے نہ جاتا؟ ان کی طرف سے مایوس ہو کر بی بی صفیہؓ نے خود خیمے سے ایک بانس نکال کر اس یہودی کے سر اس زور سے زارا کہ اس کا سر پھٹ گیا اور وہ وہیں مر گیا۔

اب نگراں کے پاس جا کر بولیں کہ میں نے اس کا کام تمام کر دیا ہے مگر وہ مرد ہے اس لیے میں اس کا جسم کیسے چھوؤں آپ جا کر اس کا سر کاٹ کر قلعے کے باہر پھینک دیں۔ تا کہ فوجی دستہ ڈر کر بھاگ جائے مگر ان سے یہ بھی نہ ہوا۔ آخر مجبور ہو کر بی بی صفیہؓ خود گئیں اور اُس کا سر کاٹ کر قلعے کے باہر اس جگہ پھینک دیا، جہاں یہودیوں کا فوجی دستہ ٹھہرا ہوا تھا۔ یہودیوں نے جو اپنے ساتھی کا سر دیکھا تو سمجھ گئے کہ قلعے میں مرد بھی موجود ہیں۔ چناں چہ سب کے سب ڈر کر بھاگ گئے۔

---

(۸)

اِستقلال

مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ کا نام تو تم نے سنا ہوگا؟ آپ ہمارے زمانے کے بڑے جید عالم ہیں۔ اللہ نے آپ کو بہت سوُجھ بوُجھ عطا کی ہے۔ آپ کے دل میں دین کا بے حد درد ہے۔ آپ کو ہر وقت یہی دُھن رہتی ہے کہ اللہ کی زمین پر اللہ کا دین کس طرح غالب ہو۔ اللہ کے بندوں کو کیوں کر اللہ کی مرضی پر چلایا جائے۔ چوں کہ آپ کی دعوت بھی وہی ہے جو ہمیشہ ہر ملک میں اللہ کے برگزیدہ نبی اور اُن کے پیرو دیتے آئے ہیں اور جس کو آخری اور مکمل شکل میں حضوؐر نے پیش کیا اِس لیے جو بھی سنتا ہے وہ اُسے حق ماننے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ اِسی لیے رفتہ رفتہ دنیا کے مختلف ممالک میں بہت سے لوگ ان کے ہم نوا بن گئے۔ انھوں نے ایک اچھی خاصی جماعت بنالی، جو اللہ کے دین کو اللہ کی زمین پر قائم کرنے کی کوشش کرتی ہے۔

مولانا کی باتیں ان لوگوں کو ایک آنکھ نہیں بھاتیں جو اللہ کے بندوں کو اپنی مرضی پر چلانا چاہتے ہیں یا اللہ کی بخشی ہوئی سلطنت کو اللہ کی

امانت سمجھنے کی بجائے اپنی اور اپنے باپ دادا کی جاگیر سمجھتے ہیں۔ چناں چہ ایسے لوگ ہمیشہ روڑے اٹکانے کی فکر کرتے رہے۔ جھوٹے الزامات گھڑ گھڑ کر مولانا کو ستاتے اور پریشان کرتے رہے۔ لیکن اُنھیں اللہ نے اتنا صبر و تحمل استقلال اور پامردی عطا کی ہے کہ جتنی زیادہ مخالفت ہوتی ہے اُتنا ہی اُن کا ایمان پختہ ہوتا ہے۔ ایک بار تو ظالموں نے جھوٹے مقدمات میں پھنسا کر مولانا کو پھانسی کی سزا تک سنا دی تھی۔ سزا کا اعلان ہونا تھا کہ ریڈیو سے یہ خبر دنیا کے گوشے گوشے میں پھیل گئی۔ مولانا تو پھانسی کی کوٹھری میں اس خیال سے نہایت اطمینان سے سوئے کہ چلو اللہ نے اُن کی کوششوں کو قبول کر کے انھیں شہادت کی موت سے نوازا، مگر جس بھلے مانس نے بھی پھانسی کی خبر سنی، وہ سر پکڑ کر رہ گیا۔ ہر ایک یہی سوچتا تھا کہ ان بے چاروں کا آخر قصور کیا ہے؟ کیا اللہ کے بندوں کو اللہ کے دین کی طرف بلانا اب مسلمان ملکوں میں اتنا سنگین جرم ہو گیا ہے کہ اس کی سزا پھانسی ہے۔ یہ بے چارے کسی سے کچھ مانگتے نہیں۔ سب کی بھلائی کے لیے دن رات محنت کرتے ہیں۔ کیا دنیا اب اتنی گر چکی ہے کہ بھلے لوگوں کو اپنے اندر برداشت نہیں کر سکتی۔

مولانا کی پھانسی کا حکم اُن کی بی بی نے بھی سنا۔ تم خود سوچو، ان بے چاری پر کیا گزری ہوگی، مگر واہ ری نیک بندی! تھوڑی دیر تو بے چین رہیں، پھر یہ سوچ کر اُنھیں تسکین ہو گئی کہ اگر اللہ کے دین کی سربلندی کے

لیے مولانا کے خون کی ضرورت ہے تو ہم اللہ کے اس فیصلے پر راضی ہیں لیکن اگر اللہ انھیں زندہ رکھنا چاہتا ہے تو کوئی اُن کا بال بیکا نہیں کر سکتا۔

اللہ نے اُن کے صبر و استقلال کا یہ بدلہ دیا کہ دوسرے ہی دن ریڈیو سے اُن کی سزا کے منسوخ ہونے کا اعلان ہوا اور آج وہ جیل سے رہا ہو کر پھر اپنے بال بچوں میں ہیں اور بدستور پورے جوش و خروش سے دین کی سربلندی کے لیے کوشش کر رہے ہیں۔

پیاری بیٹیو! یہ مضمون اس وقت کا ہے، جب مولانا مودودیؒ زندہ تھے۔ اِسی لیے حال کے صیغے استعمال ہوئے ہیں۔ مولانا ۱۹۷۹ میں اس دنیا سے رخصت ہو گئے لیکن ان کی برپا کی ہوئی جماعت جماعت اسلامی اب بھی دین کے کام میں لگی ہوئی ہے اور ان کی کتابوں سے کروڑوں لوگوں کو فائدہ پہنچ رہا ہے۔ اب تو اس مضمون کے لکھنے والے بھی اس دنیا میں نہیں رہے۔ پہلی جنوری ۱۹۹۰ کو اللہ کو پیارے ہو گئے۔

(۹)

صبر

صبر کا پھل میٹھا ہوتا ہے۔ یہ ایک حقیقت ہے۔ جو بیٹیاں اس پر یقین رکھتی ہیں، وہ ہمیشہ مزے میں رہتی ہیں۔

تم خود سوچو، کون ہے جسے کسی قسم کا صدمہ نہیں پہنچتا۔ سب کے گھر میں موتیں ہوتی ہیں۔ جان مال کا نقصان ہوتا ہے۔ آگ لگ جاتی ہے۔ تجارت میں گھاٹا ہو جاتا ہے۔ فصل برباد ہو جاتی ہے۔ سامان چوری چلا جاتا ہے۔ چیزیں گُم ہو جاتی ہیں۔ ظاہر ہے رونے دھونے یا آہ وزاری کرنے سے وہ چیزیں تو ملنے سے رہیں، خواہ مخواہ وقت ضائع ہوتا ہے، صحت بگڑتی ہے اور مایوسی طاری ہوتی ہے۔ اگر اِس حقیقت پر یقین ہو کہ ہمارے پاس جو کچھ ہے وہ اللہ تعالیٰ کی امانت ہے۔ وہ ہم پر بے حد مہربان ہیں، جب تک کوئی چیز ہمارے لیے مفید یا ضروری ہوتی ہے، ہمارے پاس رہنے دیتے ہیں، ورنہ اپنی امانت واپس لے لیتے ہیں، تو بڑے سے بڑا صدمہ پہنچنے پر بھی پریشانی نہ ہوگی اور اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ پڑھ لینے کے بعد اطمینان بھی نصیب ہو جائے گا اور اللہ تعالیٰ

اس کا بدل یا اس سے بہتر چیز بھی عطا فرمائیں گے۔ اللہ تعالیٰ کے خزانے میں کسی چیز کی کمی نہیں ہے۔

ہمارے یہاں ایک سے ایک صبر و شکر کرنے والی بی بیاں گزری ہیں جنھیں اللہ نے اُن کے صبر کا بہت ہی میٹھا پھل دیا۔ اُن میں سے ایک بی بی اُمِ سلیم تھیں۔ آپ کے میاں کا نام ابوطلحہؓ تھا۔ حضرت ابوطلحہؓ پیارے رسولؐ کے سچے ساتھی تھے۔

بی بی اُمِ سلیم کا ایک بہت ہی پیارا بچہ تھا۔ یہ بچہ اپنے ماں باپ کی آنکھوں کا تارا تھا۔ خود حضورؐ بھی کبھی کبھی اُن کے گھر تشریف لے جاتے، اس بچے سے باتیں کرتے اور اُس کی شوخیوں سے خوش ہوتے۔

ایک بار وہ پیارا بچہ سخت بیمار پڑا رفتہ رفتہ اس کی حالت نازک ہوتی گئی۔ ایک دن کسی ضروری کام سے حضرت ابوطلحہؓ کو باہر جانا پڑا۔ اتفاق سے اسی دن بچہ گزر گیا۔ ماں کو بے حد قلق ہوا کیوں نہ ہوتا، تھا بھی تو جگر کا ٹکڑا۔ مگر اللہ کی اس نیک بندی نے اِنَّا لِلّٰہ پڑھا اور کلیجے پر پتھر رکھ کر صبر کیا۔ گھر کے تمام لوگوں کو منع کر دیا کہ ابوطلحہؓ آئیں تو کوئی خبر نہ کرے۔ پھر بچے کی لاش ایک کپڑے میں لپیٹ کر الگ رکھ دی اور خود کام کاج میں لگ گئیں۔

حضرت ابوطلحہؓ تشریف لائے، بچے کی خیریت دریافت کی تو

گول مول سا جواب دے دیا۔ میاں نے اطمینان سے کھانا کھایا۔ جب کھانے اور آرام سے فارغ ہوئے تو بی بی بولیں:

بیوی: ”کیوں میاں! اگر کوئی کسی سے مانگے کی چیز لائے اور پھر مالک اپنی چیز واپس مانگے تو کیا کرنا چاہیے؟“

میاں: جس کی چیز ہے اُسے بہ خوشی واپس کر دینا چاہیے۔

بیوی: تو پھر صبر کیجیے، ہمارا پیارا بیٹا جو اللہ کی امانت تھا اُسے اللہ نے واپس لے لیا۔

میاں بھی تو تھے صحابی، حضوؐر کے سچے ساتھی، انھوں نے بھی صبر کیا۔ دوسرے دن حضوؐر کی خدمت میں حاضر ہو کر سارا قصہ کہہ سنایا۔ آپؐ بیوی میاں کے اس صبر سے بے حد متاثر ہوئے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا فرمائی۔ کچھ دنوں بعد حضرت ابوطلحہؓ کے گھر ایک اور بچہ پیدا ہوا۔ اس کا نام عبداللہ رکھا گیا۔ یہی عبداللہ بڑے ہو کر جیّد عالم اور باعمل بزرگ ہوئے جنھوں نے ماں باپ دونوں کا نام روشن کیا۔ اللہ نے اُن کی ماں کو صبر و شکر کا بہت بڑا اَجر دیا۔ سچ ہے صبر کا پھل میٹھا ہوتا ہے۔

۱۔ بی بی اُمِ سلیم کون تھیں؟

۲۔ بچے کے انتقال پر انھوں نے کیا کیا؟

۳۔ بی بی اُمِ سلیم کو صبر کا اللہ نے کیا پھل دیا؟

(۱۰)

قسم کا پاس ولحاظ

بار بار قسم کھانا بہت ہی بری عادت ہے اور قسم کھا کر توڑ دینا اور بھی بُرا ہے۔ قسم کھانے والے کا اعتبار جاتا رہتا ہے۔ قسم توڑنے کے لیے کفّارہ مقرر ہے۔ نیک بیٹیاں قسم نہیں کھایا کرتیں اور اگر کبھی کھا بھی لیں تو اس کا پورا لحاظ رکھتی ہیں۔

بی بی عائشہؓ کے ایک بھانجے تھے، حضرت عبداللہؓ، بی بی عائشہؓ نے ان کو پالا پوسا تھا۔ حضرت عبداللہؓ اُن کو ماں کی طرح مانتے اور محبت سے پیش آتے تھے۔ بی بی عائشہؓ کو تو تم جانتی ہو۔ وہ بے حد فیاض تھیں۔ خود تکلیفیں اُٹھاتیں اور جو کچھ ملتا، سب غریبوں میں بانٹ دیتی تھیں۔ خالہ کو تکلیف میں دیکھ کر حضرت عبداللہ بہت کُڑھتے تھے۔

ایک دفعہ حضرت عبداللہؓ نے کہہ دیا کہ خالہ کا ہاتھ کسی طرح روکنا چاہیے۔ اتنی فیاضی ٹھیک نہیں کہ خود تو بھوکی رہیں اور سارا اثاثہ دوسروں کو دے دیں۔ بی بی عائشہؓ کو معلوم ہوا تو وہ بھانجے پر بے حد ناراض ہوئیں اور نہ بولنے کی قسم کھالی۔

حضرت عبداللہ کو خالہ کی ناراضی کا بہت افسوس ہوا۔ اُنھوں نے کئی آدمیوں سے سفارش کرائی، مگر بی بی عائشہؓ نے قسم کا عذر کر کے سب کو واپس کر دیا۔ حضرت عبداللہؓ نے پریشان ہو کر حضورؐ کے ننھیال سے دو سفارشی لیے اور خدمت میں حاضر ہوئے۔ بی بی عائشہؓ پردے کی آڑ سے باتیں کر رہی تھیں۔ حضرت عبداللہؓ جلدی سے اندر گھس کر خالہ سے لپٹ گئے اور رو رو کر معافی مانگنی شروع کی۔ دونوں سفارشیوں نے بھی نہ بولنے کے بارے میں حضورؐ کا حکم سنایا۔ "ایک مسلمان کو دوسرے مسلمان سے تین دن سے زیادہ بول چال بند نہ کرنی چاہیے اِس حکم کو سن کر بی بی عائشہؓ رونے لگیں اور قصور معاف کر کے پھر بول چال شروع کر دی۔ مگر اس قسم کے کفارے میں بار بار غلام آزاد کرتی تھیں۔ یہاں تک کہ چالیس غلام آزاد کیے اور پھر بھی جب کبھی اِس قسم کے توڑنے کا خیال آتا تو پھوٹ پھوٹ کر رونے لگتی تھیں۔ دوپٹا بھیگ جاتا تھا۔

۱۔ بی بی عائشہؓ بھانجے پر کیوں خفا ہوئیں؟
۲۔ حضرت عبداللہؓ نے منانے کی کیا کوششیں کیں؟
۳۔ بی بی عائشہؓ نے کس طرح بول چال شروع کی؟

(۱۱)

حق گوئی

اللہ نے سب کو پیدا کیا۔ وہی سب کا خالق اور مالک ہے۔ سب لوگ اسی کا دیا کھاتے ہیں۔ اس لیے سب اس کے بندے اور غلام ہیں۔ وہی سب کا حاکم اور بادشاہ ہے۔

اللہ کی سلطنت بہت بڑی ہے۔ اس نے اپنی سلطنت کے ایک چھوٹے سے حصے میں جس کا نام زمین ہے، ہم انسانوں کو آباد کیا ہے۔ اس نے اپنے نبیوں کے ذریعے کہلا بھیجا ہے کہ میری زمین پر صرف میرا حکم چلنا چاہیے۔ سارے انسانوں کو مجھے بادشاہ مان کر میری مرضی کے مطابق زندگی گزارنی چاہیے۔

چاروں خلیفہؓ اس حقیقت کو خوب جانتے تھے۔ چناں چہ وہ خود بھی اللہ کی مرضی پر چلتے اور تمام مسلمانوں کو اس کی مرضی پر چلاتے تھے۔ مگر اُن کے بعد جاہل قوموں کی دیکھا دیکھی مسلمانوں میں بھی بادشاہت کا رواج چل پڑا۔ اب وہ اللہ کی بجائے خود بادشاہ بن بیٹھے۔ رعایا کو زبردستی اپنی مرضی پر چلانے لگے۔ بیت المال کو رعایا کی امانت سمجھنے کی بجائے اپنی

مِلک سمجھ کر اسے خوب اُڑانے اور عیش کرنے لگے۔ اپنے ہی گھر والوں اور دوست احباب کو اونچے اونچے عہدوں پر مقرر کرنے لگے، چاہے وہ بالکل نکمے ہوں۔ چناں چہ عدل وانصاف جاتا رہا اور رعایا پر بے حد ظلم ہونے لگا۔ اللہ سے بغاوت کر کے خود بھی تباہ ہوتے رہے اور رعایا کو بھی تباہ کرتے رہے۔

جو بے چارے اُنھیں تباہی کی طرف جانے سے روکتے یا غلط کاموں پر ٹوکتے۔ یہ لوگ اُن کا احسان ماننے کی بہ جائے انھیں اپنا دشمن سمجھتے اور جھوٹے الزام لگا کر انھیں قتل کرتے۔ ہر زمانے میں نہ جانے اللہ کے کتنے نیک بندوں کے خون سے ان لوگوں نے ہولی کھیلی اور امت کو اس کے بہترین خادموں سے محروم کر دیا۔ سب سے زیادہ جس ظالم نے ایسے بے گناہوں کے خون سے ہاتھ رنگا، وہ حجاج تھا۔

پھر بھی اللہ کا شکر ہے کہ ہر زمانے میں اللہ کے ایسے نیک بندے پیدا ہوتے رہے جنھوں نے جان کی پروا کیے بغیر ان ظالموں کو برملا ٹوکا۔ مرد تو مرد عورتوں تک نے منہ توڑ جواب دیا۔

بی بی عائشہؓ کے بھانجے حضرت عبداللہؓ کو تو تم جانتی ہو۔ وہ بی بی اسماءؓ کے بیٹے تھے۔ خلفاے اربعہؓ کے بعد جب مسلمانوں کے یہاں بادشاہت کا غلط طریقہ چل پڑا تو اُس کی مخالفت کرنے والوں میں ایک وہ بھی تھے۔ اُنھوں نے کوشش کر کے عرب میں پھر سے خلافت قائم کی۔ اور

چھ سات سال تک خلیفہ رہے، آخر ایک مسلمان بادشاہ نے اپنے وزیر حجاج کو بھیج کر ان کو قتل کرا دیا۔ حجاج نے ان کی لاش ایک پہاڑی پر لٹکا دی، اور بی بی اسماءؓ کے پاس جا کر حضرت عبداللہؓ کو (توبہ توبہ) بے دین اور باغی وغیرہ بنایا۔ بی بی اسماءؓ سے برداشت نہ ہوا بولیں:

''میرا بیٹا بے دین نہ تھا۔ وہ تو بڑا پرہیزگار، عبادت گزار اور اپنی ماں کا فرماں بردار تھا۔ حضورؐ سے میں نے سنا تھا کہ تمھارے خاندان میں دو دجّال پیدا ہوں گے جن میں دوسرا پہلے سے بدتر ہوگا۔ سو ایک تو گزر چکا، دوسرا تو ہے۔''

حجاج یہ کھرا جواب سن کر تلملا گیا اور اپنا سا منہ لے کر چلتا بنا۔ اپنے خیمے پر پہنچ کر کہلا بھیجا کہ جب تک بی بی اسماءؓ لاش مانگنے نہ آئیں گی، وہ یوں ہی لٹکی رہے گی انھوں نے سنا تو بولیں:

''کیا ابھی وہ وقت نہیں آیا کہ یہ سوار اترے۔''

حجاج نے جب یہ جملہ سنا تو لاش اتروا دی اور وہ دفن کر دی گئی۔

۱۔ بی بی اسماءؓ کون تھیں؟

۲۔ حضرت عبداللہؓ کے متعلق تم کیا جانتی ہو؟

۳۔ حجاج نے ان کے ساتھ کیا برتاؤ کیا؟

۴۔ بی بی اسماءؓ سے حجاج کی کیا بات چیت ہوئی؟

(۱۲)

صدقۂ جاریہ

مسجد بنوانا، مدرسہ قائم کرنا، کنویں کھدوانا نہر جاری کرانا، سڑک پل یا سرائے بنوانا، دوا علاج کے لیے اسپتال قائم کرانا، یہ سب رفاہِ عامہ کے کام ہیں۔ اگر یہ سب اللہ کی خوشی کے لیے کیے جائیں تو ان کا بہت زیادہ ثواب ہے۔ چوں کہ ان سے نہ جانے کتنے لوگ برابر فائدہ اُٹھاتے رہتے ہیں، اس لیے بنوانے والے کو برابر ثواب ملتا رہتا ہے۔ اللہ کی راہ میں اس طرح صدقے کو صدقۂ جاریہ کہتے ہیں۔

ہارون رشید مسلمانوں کا ایک مشہور بادشاہ گزرا ہے۔ اس کی بیوی کا نام زبیدہ تھا۔ وہ بچپن سے بہت ہی ہونہار لڑکی تھی۔ اُس کے دادا منصور اپنی پیاری پوتی سے بہت محبت رکھتے تھے۔ اس کی وجہ سے اسے جدا کرنا گوارا نہ کرتے۔

زبیدہ کو عوام کی بھلائی کا بے حد خیال تھا۔ اُس نے اپنے ملک میں جا بہ جا پُل بنوائے، کنویں کھدوائے اور سرائیں بنوائیں جن سے مسافروں کو بہت آرام ہو گیا۔

عرب میں پانی کی بڑی قلت رہتی ہے۔ آج کل تو کسی قدر انتظام ہو بھی گیا ہے۔ زبیدہ کے زمانے میں حاجیوں کو پانی کی بڑی تکلیف ہوتی تھی۔ ایک بار وہ حج کرنے گئی۔ اتفاق سے اس سال پانی کی اور زیادہ قلت تھی۔ ایک مشک پانی ایک اشرفی کو آتا تھا۔ زبیدہ نے جو یہ حال دیکھا تو اُسے بہت دُکھ ہوا۔ اس نے ترس کھا کر لوگوں کو اس زحمت سے چھٹکارا دلانے کی ٹھانی۔ سب سے پہلے چاہ زمزم صاف کرایا جس سے مکے والوں کو پانی کا بہت آرام ہو گیا۔ پھر مکے سے مدینے تک جہاں جہاں حاجیوں کا قافلہ ٹھہرتا تھا وہاں کنویں کھدائے اور ٹھہرنے کا معقول بندوبست کیا۔

زبیدہ نے اسی پر بس نہیں کیا، بل کہ ایسا انتظام کرنا چاہا کہ مکے والوں کو برابر پانی پہنچتا رہے۔ اس نے بڑے بڑے انجینیر وں کو بلا کر مشورہ کیا۔ انجینیر وں نے دیکھ بھال کر کے یہ مشورہ دیا کہ مکے سے کوئی پچاس میل کے فاصلے پر ایک چشمہ ہے وہاں سے نہر کے ذریعے مکے تک پانی پہنچایا جا سکتا ہے مگر نہر نکالنا آسان نہیں۔ راستے میں بہت سی پہاڑیاں ہیں۔ انھیں کاٹ کر نہر تیار کرنی ہوگی اور اس میں بہت زیادہ محنت اور کثیر رقم صرف ہوگی۔

زبیدہ نے کہا: ”تم خرچ کی پروا نہ کرو اگر ایک کدال مارنے کی مزدوری ایک اشرفی ہوگی تو بھی میں بخوشی ادا کر دوں گی۔“

ملکہ کے حکم کی دیر تھی۔ کام شروع ہوگیا۔ تین سال کی لگاتار محنت اور ایک لاکھ اشرفیوں کی لاگت پر یہ نہر تیار ہوگئی۔ انجینیر وں نے جب حساب پیش کیا تو زبیدہ نے سارے کاغذات دریا میں یہ کہہ کر پھنکوادیے کہ "ہمارے یہاں حساب کا کیا کام۔ ہم نے تو یہ کام اللہ کے لیے کیا تھا، جتنا ہمارے ذمے ہو لے لو، اگر ہمارا باقی ہو تو ہم نے معاف کیا۔"

آج بھی مکہ اور اس کے اطراف میں نہرِ زبیدہ کے نشانات موجود ہیں۔ اس بارہ سو سال کی طویل مدت میں جس جس نے بھی فائدہ اٹھایا ہوگا، اِن سب کے دل سے زبیدہ کے حق میں بے ساختہ دعا نکلی ہوگی۔